6

ہم پُھولوں کی سیج پر چل کر دلوں کو فتح نہیں کر سکتے

(فرمودہ 13 فروری 1948ء بمقام رتن باغ لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"مَیں نے گزشتہ دو خطبوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی تھی۔ صرف پچھلے خطبہ میں اِس موضوع کے متعلق مَیں کچھ نہیں کہہ سکا کیونکہ میری طبیعت نزلہ اور کھانسی کی وجہ سے خراب تھی۔ اِس کے بعد بھی طبیعت برابر خراب رہی بلکہ پچھلے چند دنوں میں تو میری طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی لیکن رات کو یکدم افاقہ ہوگیا اَور مَیں اِس قابل ہوگیا کہ آج جمعہ کے خطبہ کے لیے آسکوں۔ کھانسی تو اب بھی ہے اَور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جسم میں بیماری کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے۔ اس لیے کمزوری اَور نقاہت اب تک پائی جاتی ہے لیکن بہرحال پہلے جیسی حالت نہیں۔

مَیں نے گزشتہ دو خطبوں میں جیسا کہ مَیں ذکر کر چکا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلائی تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان تو انسانوں میں سے ہے اور باقی انسان نہیں یا وہ تو احمدی ہیں اور باقی احمدی نہیں۔ بلکہ وہ بھی انسان ہی ہیں اور باقی بھی انسان ہیں، وہ بھی احمدی ہیں اور باقی بھی احمدی

ہیں۔ پھر سوال یہ ہے کہ مَیں نے اُن کو خاص طور پر کیوں مخاطب کیا؟ ہمارے مُلک میں پنجابی کی ایک مثل مشہور ہے جسے عام طور پر عورتیں استعمال کیا کرتی ہیں اَور وہ مثل یہ ہے کہ:

دھی اے نی میں گل کراں ۔ نونہہ ایں نی تُو کن دھر

بہو ایک غیر گھر سے آئی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر بہو کو کوئی نصیحت کی جائے تو وہ بُرا مناتی اور یہ خیال کرتی ہے کہ مَیں چونکہ غیر گھر کی تھی اِس لیے مجھے ایسے کہا گیا ہے۔ اِسی لیے جو بے وقوف ساس ہوتی ہے وہ تو بہو کو مخاطب کرتی ہے لیکن جو عقلمند ساس ہوتی ہے وہ بیٹی کو مخاطب کرتی ہے۔ اِس طرح بیٹی تو بُرا نہیں مناتی کیونکہ وہ اپنی ہوتی ہے اور بہو بھی بُرا نہیں مناتی کیونکہ وہ سمجھتی ہے کہ یہ بات بیٹی کو کہی گئی ہے۔ اگر مَیں نے بھی یہ بات سُن لی تو کیا ہوا۔ اِس طرح فساد اور اختلاف سے بچاؤ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ بات بھی کہی جاتی ہے اور فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔

اِس مثل کے ماتحت مَیں نے گو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو مخاطب کیا ہے لیکن ساری جماعت کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بھی میری مخاطب ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کو اگر مَیں نے مخاطب کیا ہے تو اِس لیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کا مجھ پر دُہرا حق ہے۔ ایک رشتہ داری کا اور دوسرا احمدیت کا۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ [1] یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تُو دنیا کو ڈرا اَور اُسے بیدار اور ہوشیار کر۔ مگر پہلے اپنے رشتہ داروں اور قریبیوں کو ڈرا کیونکہ اُن کا تجھ پر دُہرا حق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رشتے داریاں دنیا میں بڑا اثر رکھتی ہیں اور تاریخ میں اِس کے اثرات کی بعض حیرت انگیز مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت جب تبلیغ شروع کی اور کفار نے انتہائی طور پر ہر رنگ میں اپنا اثر استعمال کر لیا اور کسی طرح بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم اور حق کے اعلان کو نہ چھوڑا تو مکہ کے لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور اُنہیں کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا لیجیے۔ ورنہ ہم مجبور ہو جائیں گے کہ اُس کے ساتھ آپ کا بائیکاٹ کر دیں۔ حضرت ابو طالب نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور اُن سے کہا اے میرے بھتیجے! آج تک مَیں نے تیرا ساتھ دیا ہے مگر آج میری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں اور اُنہوں نے کہا ہے کہ ابو طالب ہم تیرا بہت لحاظ کرتے رہے ہیں مگر آج ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر

تُو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں چھوڑے گا اور اُس کی حمایت بدستور کرتا چلا جائے گا تو ہم تیری سرداری سے بھی انکار کر دیں گے۔ ابوطالب ایک غریب آدمی تھے مگر وہ سارا وقت اپنی قوم کی خدمت میں لگاتے تھے اِس لیے اُن کی ساری جائیداد ہی قوم کی محبت تھی۔ دنیا میں کچھ لوگ کمانے میں لگے ہوئے ہوتے ہیں اور کچھ قوم کی خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ کمانے والے اپنا بدلہ روپیہ کی صورت میں لے لیتے ہیں مگر خدمت کرنے والے اپنا بدلہ قوم کی محبت کی صورت میں لیتے ہیں۔ ابوطالب چونکہ دن رات اپنی قوم کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اِس لیے اُن کی ساری کمائی ہی یہی تھی کہ وہ قوم کی خدمت کرتے تھے اور قوم اُنہیں سلام کرتی تھی۔ اس لیے جب قوم کی طرف سے اُنہیں یہ نوٹس ملا تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا اے میرے بھتیجے! میری قوم آج کہہ رہی ہے کہ اگر تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں چھوڑ سکتا تو پھر ہم بھی تجھ کو چھوڑ دیں گے۔ اُس وقت یہ خیال کر کے کہ ساری عمر مَیں نے اپنی قوم کی خدمت میں لگا دی تھی مگر آج بڑھاپے میں آ کر وہی قوم مجھے چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئی ہے۔ حضرت ابوطالب پر رقت طاری ہوئی اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ دیکھ کر کہ میرے چچا باوجود اِس کے کہ مسلمان نہیں ہمیشہ میری خدمت کرتے رہے ہیں اور ہمیشہ انہوں نے میری تائید کی ہے اور اب میری خدمت اور میری تائید کی وجہ سے ان کی ایک ہی قیمتی دولت جو اِن کے پاس تھی یعنی قوم میں عزت وہ کھوئی جانے لگی ہے رقّت طاری ہو گئی۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اے چچا! جو پیغام مَیں لایا ہوں وہ خدا نے میرے سپرد کیا ہے۔ ایسا نہیں کہ کسی کے کہنے پر مَیں اُسے چھوڑ دوں۔ اے میرے چچا! مَیں جانتا ہوں کہ خدا ایک ہے لیکن مَیں اپنی قوم کی خاطر یہ نہیں کہہ سکتا کہ خدا ایک نہیں۔ اگر میری قوم سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں بھی لا کر کھڑا کر دے اور اِتنا بڑا نشان دکھائے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی اور پھر کہے کہ اب بھی یہ مان جاؤ کہ دنیا کا پیدا کرنے والا خدا ایک نہیں تب بھی مَیں ایسا نہیں کر سکتا۔ اے میرے چچا! مَیں آپ سے بھی یہ امید نہیں کرتا کہ آپ میری خاطر اتنی بڑی قربانی کریں۔ آپ نے جو خدمت کی ہے مَیں اُس کا ممنون ہوں لیکن آئندہ کے لیے مَیں یہ بوجھ آپ پر ڈالنا نہیں چاہتا۔ آپ بے شک میرا ساتھ چھوڑ دیں اور اپنی قوم سے کہہ دیں کہ مَیں نے اپنے بھتیجے کو چھوڑ دیا ہے اور اب مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور یقین کے ساتھ یہ حیرت انگیز محبت ایک طرف تھی اور دوسری طرف وہ محبت کھڑی دیکھ رہی تھی جو ابوطالب کو اپنے بھتیجے کے ساتھ تھی۔ ابوطالب اُس وقت اِن دو محبتوں کے درمیان آ گئے۔ ایک طرف اُن کا بیٹا تھا۔ یوں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کے بھتیجے تھے مگر ابوطالب نے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر آپ سے محبت کی اور اپنے بیٹوں سے زیادہ غور و پرداخت کے ساتھ آپ کو پالا۔ پس ایک طرف وہ محبت کھڑی تھی جو ابوطالب کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور دوسری طرف بھتیجے کا یہ یقین اور ایمان تھا کہ مَیں نے جس صداقت کو قبول کیا ہے مَیں اُسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اُن کی ایک آنکھ کے سامنے بیک وقت یہ دو محبتیں آ کر کھڑی ہو گئیں اور دوسری آنکھ کے سامنے اُن کے باپ عبدالمطلب کی روح آ کر کھڑی ہو گئی جنہوں نے مرتے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ابوطالب کے ہاتھ میں یہ کہتے ہوئے دیا تھا کہ ابوطالب! اِس کا باپ فوت ہو گیا ہے، اِس کی ماں بھی فوت ہو گئی ہے۔ مَیں نے اِس کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھ کر پالا ہے۔ اَب مَیں مرنے لگا ہوں اور مجھ کو تجھ پر اعتبار ہے کہ تو اِس کام میں سُستی اور کوتاہی نہیں کرے گا۔ مَیں اپنی سب سے زیادہ قیمتی امانت تیرے سپرد کرتا ہوں۔ غرض باپ کی روح ایک طرف کھڑی تھی اور صداقت کے فدائی اور سچائی پر جان دینے والے بیٹے کی روح دوسری طرف کھڑی تھی۔ باوجود اسلام نہ لانے کے ابوطالب ان دو محبتوں کا مقابلہ نہ کر سکے اور اُنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا اے میرے بیٹے! جاؤ اور جس چیز کو سچا سمجھتے ہو اُس کو پھیلاؤ۔ قوم کا مذہب تو مَیں چھوڑ نہیں سکتا لیکن اگر تیری خاطر قوم مجھے چھوڑ دے تو مَیں تیرے لیے یہ قربانی بھی کروں گا اور ہمیشہ تیرا ساتھ دوں گا۔2 تب قوم نے یہ فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا جائے۔ اِس اعلان پر بنو ہاشم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ایک وادی میں جو ابوطالب کی ملکیت میں تھی چلے گئے۔ وادی سے مُراد کوئی سرسبز و شاداب مربع یا وسیع زمین کا ٹکڑا نہیں بلکہ مکہ میں بے پانی اور بے سبزی کے وادیاں ہوا کرتی ہیں۔ گویا بے آب و گیاہ زمین کے کچھ ٹکڑے ہوتے ہیں لیکن چونکہ اُن میں کوئی کوئی جھاڑی بھی پائی جاتی ہے جس میں اونٹ وغیرہ چر لیتے ہیں اِس لیے اُنہیں وادی کہہ دیا جاتا ہے۔ مکہ کے پاس ایک ایسی ہی وادی ابوطالب کی تھی۔ ابوطالب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اور اُن چند مسلمانوں کو لے کر جو اُس وقت مکہ میں تھے اُس وادی میں چلے گئے۔ جب وہ اُس وادی میں

گئے تو وہ ہاشمی دشمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر بعض دفعہ گالیاں دیا کرتے تھے، وہ ہاشمی دشمن جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، وہ ہاشمی دشمن جو ابوجہل کو اُکسا اُکسا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچایا کرتے تھے۔ وہ بھی قومی عصبیت اور رشتہ داری کی وجہ سے اپنے گھروں کو چھوڑ کر اُس وادی میں محصور ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ شدید ترین دشمن جس کا قرآن کریم میں بھی اُس کے ظلموں اور بداعمال کی وجہ سے ابولہب نام آتا ہے وہ بھی اپنے دوستوں اور ہمنوا لوگوں کو چھوڑ کر اُس جگہ چلا گیا اور اُن سب نے کہا کہ ہم اپنے رشتہ داروں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ تو رشتہ داری ایک اثر رکھتی ہے اور خونی تعلق کبھی کبھی ایسی قربانیاں بھی کروا لیتا ہے جو دوسرے حالات میں ناممکن نظر آتی ہیں۔ چنانچہ وہی شخص جس کو ابولہب کہتے ہیں (اُس کا نام ابولہب نہیں تھا) اور جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ [3] ابولہب ہلاک ہو گیا اور اُس کی طاقت توڑ دی گئی۔ جب ابوطالب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادی ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے تو اِسی ابولہب نے کہا کہ مَیں بھی اب مکہ میں نہیں رہ سکتا۔ جہاں یہ لوگ رہیں گے وہیں مَیں بھی رہوں گا۔ حالانکہ وہ مسلمان نہیں تھا بلکہ شدید ترین دشمنِ اسلام تھا مگر رشتہ داری کی وجہ سے اُس نے ایسا کیا۔ تو رشتہ داریاں فائدہ بھی دیتی ہیں اور رشتہ داریاں کبھی کبھار کام بھی آجایا کرتی ہیں۔ اِس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو دنیا کے کونے کونے کے لوگوں کو ڈرا لیکن پہلے اپنے عزیزوں کو ڈرا۔ اِس لیے کہ اُن کا تجھ پر دُہرا حق ہے۔ ایک حق تو یہ ہے کہ باقی دنیا کی طرح یہ بھی تباہ ہو رہے ہیں اور ایک حق یہ ہے کہ یہ تیرے رشتہ دار ہیں اور ان کے باپ دادوں نے تیرے ساتھ کبھی حُسن سلوک کیا تھا۔ چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ڈرایا۔ کچھ لوگ اُن میں سے ہدایت پا گئے اور کچھ گمراہ ہی رہے۔

پس مَیں وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ کے حکم کے ماتحت بھی اَور حقِ رشتہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کو اُن کے فرائض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ اُن کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مامور کیا ہوا کرتے ہیں اور اُن پر ایمان لانے کے بعد انسان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر ایک مامور کے گھر میں پیدا ہونے کے بعد اُن کو اِتنا بھی پتہ نہیں کہ

ماموُر کیا ہوتا ہے یا ماموُر کی جماعت کیسی ہوتی ہے تو اُن سے زیادہ نابینا اور کورچشم اَور کون ہوسکتا ہے۔ ایک انگلستان کا آدمی اگر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا آم کیا چیز ہوتی ہے، اگر امریکہ کا ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا کمرخ4 (کمرکھ) کیا چیز ہوتی ہے تو ہم اُسے معذور خیال کر سکتے ہیں۔لیکن اگر ایک ہندوستانی یہ کہے کہ مَیں نہیں جانتا کہ آم کیا چیز ہوتی ہے تو تم اُسے کتنا ذلیل اور کتنا حقیر خیال کرو گے۔تم اُسے پاگل سمجھو گے یا اُس کے متعلق یہ کہو گے کہ یہ شخص دنیا میں کسی مصرف کا نہیں اور اس نے دنیا میں رہ کر کچھ بھی نہیں سیکھا۔اگر کوئی غیر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا ماموُر کی کیا ضرورت ہوتی ہے، اگر کوئی غیر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا ماموُر کس چیز کی قربانی کا مطالبہ کیا کرتے ہیں، اگر کوئی غیر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا ماموُر کی جماعت کی ذمہ داری کیا ہوتی ہے، اگر کوئی غیر یہ کہتا ہے کہ مَیں نہیں جانتا ماموُر کو قبول کر کے انسان کو کیا قربانی کرنی پڑتی ہے۔تو اگر ایسا کہنے والا احمدی ہے تب بھی اُس پر افسوس ہے اور اگر ایک شخص جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کی طرف منسوب ہے یہ بات کہتا ہے تو وہ ایک نہایت ہی حقیر اور ذلیل انسان ہے کیونکہ اُس نے اپنی ذمہ داری کے سمجھنے میں سخت کوتاہی سے کام لیا ہے۔

یاد رکھو زمانے بدلتے ہیں اور زمانوں کے ماتحت حالات بھی بدلتے ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ اچھی سے اچھی غذا بھی کھا لیتے تھے۔مگر یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے فاقے بھی کیے اور بعض دفعہ اتنے لمبے فاقے کیے کہ آپ کو اپنا پیٹ باندھنا پڑا۔جس واقعہ کی وجہ سے غلطی سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے حالانکہ یہ عربی کا محاورہ ہے۔عربی میں جب کوئی فاقہ زدہ انسان اپنا پیٹ کَس کر باندھ لے مثلاً پٹکا باندھ لے تا کہ پیٹ ملے نہیں تو کہتے ہیں اُس نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے ہیں۔مگر چونکہ ہندوستانی عربی نہیں جانتا اُس نے پتھر کا لفظ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بُھوک کی شدّت کے وقت واقع میں پتھر اُٹھا کر باندھ لیے تھے۔حالانکہ عقلاً بھی کمزور انسان بوجھ کم اُٹھا سکتا ہے زیادہ نہیں اُٹھا سکتا۔ بہرحال ہمارے ملک میں جو بعض دفعہ پٹکا باندھ لیتے ہیں عرب اُسے پتھر باندھنا کہتے ہیں۔جس طرح ہمارے ملک میں کہتے ہیں مَیں نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا ہے اور اِس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ مَیں نے صبر کیا۔اِسی طرح کا یہ محاورہ ہے۔اگر اُردو میں کوئی شخص یہ محاورہ استعمال کرے اور کہے کہ

جب مصیبت آئی تو مَیں نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اور انگریزی میں اِس کا ترجمہ اِس طرح کیا جائے کہ جب مجھ پر مصیبت آئی تو مَیں نے دِل پر پتھر رکھ کر پٹی باندھ لی تو کیسی ہنسی کی بات ہوگی۔ اِسی طرح جب ایک عرب پڑھتا ہے کہ فلاں ہندوستانی یہ کہہ رہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھے تو وہ ہنستا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پتھر باندھنے کے معنے صرف اِتنے ہیں کہ پٹکا باندھ لیا۔ یہ نہیں کہ پتھر باندھ لیے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اپنے پیٹ پر پٹکا بھی باندھنا پڑا۔5 اور کبھی اچھی غذائیں بھی آپ نے کھائیں۔

ایک صحابی کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ دسترخوان پر گوشت پکا ہوا آیا جس میں کدو پڑا ہوا تھا۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے کدو کے قتلے تلاش کر کر کے کھاتے تھے کیونکہ وہ آپ کو بہت مرغوب تھا6 مگر پھر وہ وقت بھی آیا جب آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا۔ وہ شخص احمق ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ گوشت کیوں کھایا۔ وہ شخص احمق ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ شہد کے شربت کیوں پیے۔ وہ شخص احمق ہے جو کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی غذائیں کیوں کھائیں۔ کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے بھی کیے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر پٹکے بھی باندھے۔ ایسے دن بھی تو آپؐ پر آئے کہ ایک فقیر عورت آپ کے گھر میں مانگنے کے لیے آئی تو حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ اُس دن ہمارے گھر میں اپنے کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ آخر سارے گھر میں تلاش کرنے پر صرف ایک کھجور ملی اور وہ مَیں نے اُس عورت کو دے دی۔ اُس عورت نے وہ کھجور اپنے منہ میں رکھ کر اُس کے دو ٹکڑے کیے۔ اُس کے ساتھ دو بچیاں تھیں۔ اُس نے آدھا ٹکڑا ایک بچی کو اور آدھا ٹکڑا دوسری بچی کو دے دیا۔ حضرت عائشہؓ اِس سے بڑی متأثر ہوئیں اور اُنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اِس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! وہ بڑی بھُوکی تھی مگر ہمارے گھر میں بھی کچھ نہ تھا۔ صرف ایک کھجور ملی جو مَیں نے اُس کو دے دی۔ مگر یا رسول اللہ! وہ کھجور بھی اُس نے خود نہیں کھائی بلکہ اُس کے دو ٹکڑے کر کے اُس نے ایک ٹکڑا اپنی ایک بیٹی کو دے دیا اور دوسرا ٹکڑا دوسری بیٹی کو دے دیا۔ آپؐ نے فرمایا عائشہ! اگر کسی کے گھر میں دو لڑکیاں ہوں اَور وہ اُن کی اچھی پرورش کرے تو خدا اُس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے۔7 غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دن بھی تو

آئے جب آپ کو فاقے کرنے پڑے۔ مگر کیا جب فاقہ کے دن آئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خدا سے یہ کہا کہ مجھے فاقے کیوں آ رہے ہیں؟ جو شخص فاقہ میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے کیوں فاقہ آیا ہے وہ مستحق ہے اِس بات کا کہ دنیا کی ہر نعمت اُس کو دی جائے کیونکہ وہ ہر حالت پر خوش ہے۔ وہ اپنے آقا سے بطورِ حق کے کچھ نہیں مانگتا۔ جب دینے والا کچھ دے دیتا ہے تو وہ لے لیتا اور استعمال کرتا ہے۔ اور جب نہیں دیتا تو اُس کی زبان پر کوئی شکوہ نہیں آتا۔

لوگ ملازمت تلاش کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دریافت کرتے ہیں کہ بتائیے ہمارا گریڈ کیا ہوگا۔ جب بتایا جاتا ہے کہ فلاں گریڈ ہوگا اور مثلاً دو سو سے تین سو تک تنخواہ ہوگی تو وہ پوچھتے ہیں کہ کیا اِسی پر ملازمت ختم ہو جائے گی یا اَور بھی ترقی ملے گی؟ اِس پر اُنہیں بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد تمہیں فلاں گریڈ دیا جائے گا جس میں چھ سَو تک تنخواہ جاتی ہے۔ مگر کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کوئی مطالبہ کیا تھا؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آئی تھی کہ اُٹھ اور دنیا کی خدمت کے لیے کھڑا ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھا تھا کہ میرا کیا گریڈ ہوگا؟ یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھا تھا کہ مجھے کیا ملے گا؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک ہی بات جانتے تھے کہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ کھڑا ہو جا اور وہ کھڑے ہو گئے۔ اگر خدا نے اُنہیں کچھ کھلایا تو اُنھوں نے کہا یہ کھانا میرے ربّ کی نعمت ہے۔ اور اگر نہیں کھلایا تب بھی اُنہوں نے کہا کہ یہ فاقہ میرے ربّ کی نعمت ہے۔ ہزاروں ہزار بلکہ لاکھوں لاکھ اشرفیاں لوگوں کے گھروں میں بھری ہوئی ہوتی ہیں مگر اُن کے دلوں میں کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ ہم پر خدا تعالیٰ نے کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اِس کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے ساتھ احسان مندی کے جذبات کچھ اِس قسم کے تھے کہ آسمان سے بارش برستی تو وہ زمیندار جس کی کھیتیاں اُس بارش سے تیار ہوتیں خاموشی کے ساتھ گزر جاتا۔ اُسے پانی جمع کرتے ہوئے کبھی خیال بھی نہ آتا کہ یہ کہاں سے آ گیا ہے۔ وہ شہر جن میں کنویں نہیں ہوتے اور جہاں کے رہنے والے بارش ہونے پر تالابوں میں پانی جمع کر لیتے ہیں تاکہ سال بھر اُن کی ضروریات پوری ہوتی رہیں وہ بھی اپنے لیے اور اپنے جانوروں کے لیے پانی جمع کرتے ہیں مگر اُن کے دلوں میں بھی یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ اُن کے ربّ نے اُن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نہ تالاب تھے نہ کھیتیاں تھیں نہ جانور

تھے بارش آتی تو آپ کمرہ سے نکل کر باہر صحن میں آجاتے۔ اپنی زبان باہر نکال دیتے اور جب اُس پر پانی کا قطرہ گرتا تو آپ فرماتے میرے ربّ کا تازہ احسان ہے۔8 جس شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کے احسانات کی یہ عظمت ہو، جس شخص کے دل میں خدا تعالیٰ کے احسانات کی یہ قدر ہو اُس کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ اگر اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ملتی ہیں اور وہ اُن نعمتوں کو کھاتا ہے تو اُن نعمتوں کے کھانے پر اگر کوئی شخص اعتراض کرتا ہے تو وہ کافر ہے بغیر اِس کے کہ وہ خدا کا انکار کرے۔ کیونکہ وہ خدا کی صفت کا انکار کرتا ہے۔ اور اگر وہ فاقے کرتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اُس کے فاقے پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ کیا یہ بھی خدا کا بندہ ہے جو فاقے کر رہا ہے؟ تو وہ بھی کافر ہے۔ اِس لیے کہ اُس کی زندگی اپنی زندگی نہیں۔ نہ اُس کا کھانا اپنا ہے نہ اُس کا پینا اپنا ہے نہ اُسکا جینا اپنا ہے۔ وہ کھاتا ہے تو خدا کے لیے کھاتا ہے، وہ پیتا ہے تو خدا کے لیے پیتا ہے، وہ فاقے کرتا ہے تو خدا کے لیے فاقے کرتا ہے۔ یہ وہ زندگی ہے جو ایک مومن کی زندگی ہوتی ہے۔ جب تک اِس احساس کے ساتھ کوئی شخص خدا کے لیے اپنی زندگی وقف نہیں کرتا اُس وقت تک وہ ہرگز مومن نہیں کہلا سکتا۔

مَیں اُن کو بھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان میں سے زندگیاں وقف کر چکے ہیں اور کام کر رہے ہیں اور خصوصاً وہ میرے بیٹے ہی ہیں کہتا ہوں کہ تم بھی میرے پچھلے خطبوں پر یہ مت خیال کرو کہ تم کو بَری سمجھا گیا ہے۔ تمہارا اپنے آپ کو وقف کرنا یا کام کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ تم خدا کے بندے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم خدا کے بندے نہ ہو بلکہ میرے بندے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم نے خدا کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ مجھے خوش کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہو۔ اِس لیے تم بھی اپنے حالات کا جائزہ لو۔ اگر اپنی زندگی وقف کرنے کے بعد پھر بھی تمہارے اندر دنیا کی لالچ پائی جاتی ہے، اگر پھر بھی تمہارے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ تمہارا باپ یا تمہاری ماں کس حد تک تمہاری خدمت کرتے ہیں، اگر پھر بھی تمہارے قلوب میں بشاشت پیدا نہیں ہوئی بلکہ وقف کے بعد تمہارے اندر مایوسی پیدا ہو جاتی ہے یا اُمنگ پیدا نہیں ہوتی تو تمہیں سمجھ لینا چاہیے کہ تم نے جبر کے ماتحت اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے۔ جس طرح زبردستی کا کلمہ پڑھانا کسی کو جنت کا مستحق نہیں بنا دیتا اِسی طرح زبردستی کا وقف بھی کسی کو خدا رسیدہ نہیں بنا سکتا۔ اگر تم نے خدا کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہوئی ہیں تو تم پر مایوسی کیوں طاری ہو۔ کسی تکلیف کے پہنچنے پر تمہارے اندر احساس کمتری کیوں پایا جائے۔ اگر

تمہارا کوئی عزیز دنیا کماتا ہے تو تمہارے دل میں لالچ کیوں پیدا ہوتی ہے۔ کیا کسی کو پاخانہ کھاتے دیکھ کر تمہارے دل میں بھی رغبت پیدا ہوتی ہے؟ اگر تم نے صحیح طریق اختیار کیا ہوا ہوتا تو تم سمجھتے کہ وہ نجاست کھا رہا ہے اور ہمیں اُس نجاست کھانے والے شخص سے گھِن آنی چاہیے تھی، نفرت اور کراہت آنی چاہیے تھی۔ لیکن اگر تمہیں کراہت نہیں آتی تو تم بھی ویسے ہی مجرم ہو جیسے وہ۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ ظاہر کافر ہے اور تم باطنی کافر ہو اَور کوئی فرق نہیں۔ اور اگر جس لائن کو تم نے اختیار کیا ہے اُس کے فوائد تم پر روشن ہیں، تم اپنی زندگی وقف کرنے کے بعد اپنے دلوں میں ایک عظیم الشان تغیر محسوس کرتے ہو، تم یقین رکھتے ہو کہ یہ ایک بھاری نعمت ہے جو تمہیں دی گئی ہے، دنیا تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور خدا ہی خدا تمہیں نظر آنے لگتا ہے، اسی طرح تمہارے کاموں میں وہ اولوالعزمانہ شان پیدا ہو جاتی ہے جو خدا کے بندوں میں پیدا ہونی چاہیے اور تم صرف مفوّضہ کام کا بجالانا ہی کافی نہیں سمجھتے بلکہ تمہیں یہ بھی مدنظر ہوتا ہے کہ جماعت کی ساری ذمہ داریاں تم پر ہیں اور تم اِس راہ میں مرنے کے لیے ہروقت تیار رہتے ہو۔ تب بے شک یہ کہا جاسکتا ہے کہ تم نے وقف کی حقیقت کو سمجھا ہے۔

یاد رکھو! بغیر موت قبول کرنے کے کوئی مذہبی جماعت مذہبی جماعت نہیں بن سکتی۔ تم کو پہلے قربانیاں دینی پڑیں گی اور جماعت کو بعد میں قربانی کے لیے بلایا جائے گا۔ تم اگر یہ امید کرتے ہو کہ پہلے دوسرے لوگ قربانیاں کریں تو تم کافر اور مرتد ہو۔ پہلے تمہیں اپنی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی۔ اور وہ دن اب کچھ زیادہ دور نہیں بلکہ وہ دن دروازے پر کھڑے ہیں جب تم کو اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کرنی پڑیں گی۔ یہ عیاش لوگوں کے خیالات ہوتے ہیں کہ اگر ہم آگے بڑھے تو ہمارے بچے یتیم اور ہماری بیویاں بیوہ ہو جائیں گی۔ مومن اِن چیزوں کو فخر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قبول کرتا ہے۔ اگر خدا کی مرضی یہی ہے تو ہونے دو بیویوں کو بیوہ، ہونے دو بچوں کو یتیم۔ ہمارا مٹ جانا خدا کی راہ میں اگر اسلام کو مضبوط بناتا ہے تو ہم ضرور مٹیں گے اور ہمارا مٹنا ہمارے لیے فخر کا موجب ہوگا۔ ہمارا یہ احساس کہ ہم زندہ رہ کر دین کی خدمت کریں یہ دہریت ہے، یہ کفر ہے، یہ بے ایمانی ہے۔ تم کو سب سے پہلے اپنی قربانی پیش کرنی ہوگی۔ اور تمہاری اِس قربانی کے بعد وہ ہزاروں ہزار اور لاکھوں لاکھ احمدی جو اِس وقت نابینا ہیں اور صرف منہ سے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی آنکھوں کو بھی بینا کر دے گا اور اُن کے ایمانوں کو بھی مضبوط بنا دے گا۔ ہم پھولوں کی سیج پر چل کر دلوں کو فتح نہیں کر سکتے۔ دلوں کو

فتح کرنے کے لیے بارود کی سُرنگوں پر چلنا پڑتا ہے۔ اور بارودی سُرنگیں جب پھٹتی ہیں تو ہڈیوں تک کو اُڑا دیتی ہیں اور جسم کا پتہ بھی نہیں لگتا کہ کہاں گیا ہے۔ اِن رستوں پر چلے بغیر تم خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم نہیں کر سکتے۔ اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت قائم کیے بغیر تم خدا تعالیٰ کو منہ بھی نہیں دکھا سکتے"۔

(الفضل 11 مارچ 1948ء)

1: الشعراء :215

2: سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 284، 285 مطبوعہ مصر 1936ء

3: اللّھب:2

4: کمرخ: کمرخ ایک ترش پھل جس کی قدرتی طور پر چار پھانکیں ہوتی ہیں۔ مراد کمرکھ۔

5: بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خندق و ھی الاحزاب

6: بخاری کتاب الاطعمة باب الْقَدِيْدِ

7: بخاری کتاب الادب باب رحمة الولد و تقبيله ومعانقته

8: سنن النسائی الکبریٰ کتاب الاستسقاء باب کراھیة الاستمطار با لانواءِ جلد 1 صفحہ 563 حدیث نمبر 1837 مطبوعہ بیروت لبنان (مفہومًا)